مبلغ عظیم حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب مدظلہ کا خط

تبلیغی کام

کے

اہم اصول
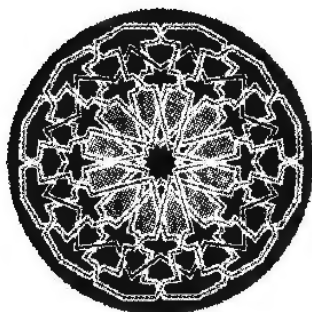
مبلغِ عظیم حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب مدظلہ کا خط

فہرست

عنوان	صفحہ
کام حکمت اور بصیرت سے کریں	۳
دینی شعبوں سے تقابل نہ ہو	۵
اہل علم کو دعوت دینے کا طرز	۶
اہل ذکر کو دعوت دینے کا طرز	۶
دین کے شعبوں میں تقابل نہیں	۷
مقصود بالذات اور موقوف علیہ	۸
دعوت میں ضعف کا تمام شعبوں پر اثر	۸
حاکم کی عظمت حکم پورا کرنے کا ذریعہ ہے	۹
ہر ایمان والا عظیم ہے	۱۰
عیب بینی کا تدارک	۱۰
اہل علم کو اپنا سرپرست سمجھیں	۱۱
نبوی اصول چھوڑنے کے نقصانات	۱۲
نبوی ترتیب کے بنیادی اصول	۱۳
دعوت کے میدان میں سیکھنا	۱۸
سکھانا ایمانی صفات	۱۹
ہماری بے اصولیاں رکاوٹ ہیں	۲۰
اکرام مسلم سب سے بڑا ہتھیار ہے	۲۰
عدم قبولیت کی وجہ	۲۱
محرومی کے اسباب	۲۲
اعتراض سے بچا جائے	۲۴
اعتراض اور اشکال میں فرق	۲۵
حکمت	۲۵
تواضع	۲۶
بڑوں کی صحبت اور مشورہ	۲۶
چھ نمبر اور کام	۲۸
امتحان ترقی کا ذریعہ ہے	۲۸
کام کا پھیلاؤ ہی گہراؤ کا ذریعہ ہے	۳۱
انبیاء علیہم السلام کی سیاست	۳۳
بیان کے آداب	۳۵
اکرام مسلم	۳۶
ساتھیوں کا اکرام	۳۶
اکرام کے اہم اصول	۳۷
حصول علم میں ترتیب صحابہ	۳۸
ذکر اللہ میں ترتیب صحابہ	۴۰
تمام اعمال کی پابندی ضروری ہے	۴۱
حب جاہ سے بچا جائے	۴۲
داعی کی صفات	۴۴
استقامت کے سترہ اسباب	۴۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کام حکمت اور بصیرت سے کریں

مکرم محترم! جناب مولوی جمشید مولوی مستقیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ حضرات کی جدوجہد اور محنتوں کو اللہ تعالیٰ بار آور اور قبول فرمائے۔ یہ بات ضروری ہے کہ اپنی محنتوں کے ساتھ ساتھ اس کام کی حقیقت اور اس کا طرز طریق اور اس کے اصول و آداب سمجھنے کی کوشش بھی کرتے رہیں اور اپنے بزرگوں سے تحقیق بھی کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات اور احادیث نبویہ سے مطابقت

کرتے رہیں تاکہ اس کام کو صرف تقلیدی طریقہ پر نہیں بلکہ اپنے قلبی انشراح اور بصیرت کے ساتھ کرنے والے ہوں۔ اور اس کام کی حکمت ہم پر کھلتی چلی جائے۔ اور حکمت کے ساتھ ہمیں اس کا کرنا آجائے تاکہ مسلمانوں کے عام طبقے کو بھی اور خواص کو بھی جو مختلف دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں' اپنی حکمت اور اخلاق کے ذریعے اس کی طرف متوجہ کر سکیں اور کسی کو اس بات پر اشکال نہ رہے اور اس اعتراض کا موقع نہ ملے کہ یہ کام پورے دین کے لئے "کل" کا درجہ رکھتا ہے اور تمام شعبے اس کے اندر داخل ہیں۔ نیز اپنے کو قلیل العلم سمجھتے ہوئے اور محتاج جانتے ہوئے حق تعالیٰ سے اس کی دعائیں بھی کر رہے ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہ بات ہمیں سمجھادے۔ کیونکہ شیطان آج بہت آسانی کے ساتھ ہمیں اس بات پر مطمئن کر دیتا ہے کہ ہم اس کام کو سمجھ گئے' حالانکہ مولانا محمد الیاس نوراللہ مرقدہ کا یہ ملفوظ ہے کہ میں اس کام کا ہزارواں حصہ بھی لوگوں کے سامنے پیش نہیں کر سکا اور جو کچھ پیش کیا' اس کا ہزارواں حصہ بھی کسی نے نہیں سمجھا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت کے ملفوظ میں بجائے ہزارویں حصہ کے سواں حصہ ہے۔ تو جب انکا یہ فرمانا ہے تو ہم کس درجہ میں اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

دینی شعبوں سے تقابل نہ ہو

ابھی تک تو ہمیں دعوت دینا بھی نہیں آئی اور اس کی حکمت اور بصیرت سے بھی واقفیت نہیں ہوئی جس کی وجہ سے بہت سے حضرات کو خصوصاً کسی دینی شعبے کو چلانے والے کے لئے ہماری دعوت اور ہمارے بیانوں سے اعتراض پیدا ہو جاتے ہیں کہ گویا ہم ان شعبوں کو ناقص سمجھ رہے ہیں یا ان کو حقیر سمجھ رہے ہیں۔ اگر ہمیں دعوت کا صحیح صحیح طرز آجائے تو ہر ایک ہمیں اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھ کر خود بھی قریب ہو گا اور ہمیں بھی اپنے سے قریب کرے گا مثلاً جب ہم دعوت کے نمبر کو اور اس کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں تو کبھی علم والوں کے شعبے پر یعنی مدارس پر اس طرح فوقیت دیتے ہیں گویا وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اور کبھی ذکر والوں کے مقابلے میں۔ جیسا کہ بہت سے واعظین حضور اکرم ﷺ کی فضیلت دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں اس طرح بیان کرنے لگتے ہیں کہ دوسرے انبیاء کی تنقیص لازم آنے لگتی ہے اور ان کا یہ طرز بیان دین کے لئے بہت خطرناک ہے۔ ایسے ہی ہمارا طرز بیان بھی خطرناک ہو جاتا ہے۔

اہل علم کو دعوت دینے کا طرز

طرز بیان یہ ہونا چاہئے کہ پہلے علم کے خوب فضائل بیان کریں اور علم والوں کے درجات بیان کریں جو آیات قرآنی اور احادیث میں آئے ہیں اور اتنا بیان کریں کہ خود ہمارا دل علم اور علم والوں کی عظمت اور محبت سے بھر جائے۔ اس نسبت سے کہ یہ علم حق تعالیٰ کی سنت ہے اور ہم اپنے کو علم اور علم والوں کا محتاج سمجھیں۔ پھر یہ کہیں کہ یہ علم پوری امت کے ہر فرد میں بقدر اس کی احتیاج اور ضروریات کے کیسے آجائے؟ اس کے لئے یہ محنت ہے۔ اگر اس علم اور اس محنت کو کرتے ہوئے علم کی اشاعت کریں تو امت کا کوئی فرد ایسا جاہل نہ رہے کہ اس کو ضرورت کے بقدر علم نہ پہنچا ہو۔ عورت ہو یا مرد ہر ایک اس کا محتاج ہے اس لئے ہم اس محنت میں اہل علم کے زیادہ محتاج ہیں۔

اہل ذکر کو دعوت دینے کا طرز

ایسے ہی ذکر اللہ کی اور ذکر والوں کی خوب اہمیت بیان کریں جو قرآن و حدیث میں آئی ہے اور اس قدر ذوق و شوق کے

ساتھ ہم بیان کرنے والے ہوں کہ ہمارا قلب ذکر کی عظمت اور ذکر کرنے والوں کے احترام سے بھرپور ہو جائے اور متاثر ہو جائے پھر یہ بیان کریں کہ ذکر کا تو امت کا ہر فرد محتاج ہے' عورت ہو یا مرد۔ ان میں ذکر پھیلانے کے لئے ہم ذکر کرنے والوں کے محتاج ہیں۔

دین کے شعبوں میں تقابل نہیں تعاون ہے

بیان میں ایک نمبر کو دوسرے نمبر کا مقابل نہ ٹھہرایا جائے (کیونکہ مقابلہ سے تنقیص کا شائبہ آجاتا ہے) بلکہ معاون قرار دیا جائے کیونکہ دین کے تمام شعبے ایسے ہی ہیں جیسے انسان کے اعضاء جوارح۔ آنکھ سے دیکھنے کا کام' زبان سے بولنے کا کام' ہاتھ سے پکڑنے' کانوں سے سننے' پیروں سے چلنے' دماغ سے سوچنے کا کام' یہ سارے کام انسان کے لئے ضروری ہیں۔ اگر ایک عضو میں بھی کمزوری ہوگی یا نقص ہوگا تو اس سے تمام جسم کو تکلیف ہوگی اور چیزوں سے استفادہ میں نقصان ہوگا۔ ان سب اعضاء کی سخت ضرورت ہے۔ یہ سب اعضاء ایک دوسرے کے معاون ہیں' مقابل نہیں ہیں۔ اسی طرح سے اللہ کا ذکر اور علم' عبادت' خدمت اور معاملات قضاۃ سب ایک دوسرے کے معاون ہیں' مقابل نہیں۔ معاون ہونے ہی کی وجہ سے

دین مکمل ہوتا ہے۔ دعوت تو صرف ان تمام شعبوں کو دنیا میں پھیلانے اور عام کرنے ہی کے لئے ہے۔

مقصود بالذات اور موقوف علیہ میں فرق

مقصود بالذات اور موقوف علیہ میں فرق جاننے کے لئے پہلے محنت کرنی ہے۔ جسے اللہ کے ذکر اور علم اور احکامات' عبادت وغیرہ میں مقصود بالذات کیا ہے؟ وہ صرف اللہ کی رضا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رضا ان شعبوں میں چلنے سے حاصل ہوتی ہے گویا کہ یہ شعبے مقصود بالذات یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے موقوف علیہ ہیں اور ان شعبوں کے لئے موقوف علیہ دعوت ہے۔ اس سے پھر یہ تمام شعبے وجود میں آتے ہیں۔ اور جب دینی شعبے اپنے صحیح مرتبہ اور حقیقت پر وجود میں آجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی کامل رضا جو مقصود بالذات ہے حاصل ہوتی ہے۔

دعوت میں ضعف کا تمام شعبوں پر اثر ہو گا

اگر دعوت میں ضعف یا نقص ہو گا تو اس کا اثر تمام دینی شعبوں پر پڑے گا اور شعبوں سے اس کا اثر حصول رضا پر آئے گا

کہ کمزوری کے ساتھ یا نقص کے ساتھ شعبوں میں چلنے والا اللہ تعالیٰ کی کامل رضا حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال اس سے سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا میں ایک پھل ہے ایک ان کے لئے درخت ہیں۔ ایک درختوں کے لئے زمین ہے۔ مقصود بالذات نہ درخت ہیں نہ زمین' بلکہ پھل ہے۔ لیکن پھل کے لئے موقوف علیہ درخت ہے کہ بغیر درختوں کے پھل کا وجود نہیں ہوتا۔ گو حق تعالیٰ شانہ اس پر قادر ہیں مگر اسباب دنیا سے انسان کو مربوط کیا ہے اور درخت بغیر زمین کے نہیں پائے جاتے۔ لیکن اگر زمین میں استعداد کمزور ہے تو اس کا اثر درختوں پر پڑے گا اور درختوں کی کمزوری کا اثر پھل کی کمزوری پر۔ اس لئے مقصود بالذات ہر وقت ہماری نگاہ کے سامنے اور نصب العین بن کر ہو کہ اللہ تعالیٰ کو کامل طریقہ سے راضی کرنے کا جذبہ ہمارے اندر پیدا ہو رہا ہو' اور یہ یقین ہو کہ اپنے اوامر کے بجا لانے ہی سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔

حاکم کی عظمت حکم پورا کرنے کا ذریعہ ہے

یہ اللہ کا ذکر اوامر خداوندی کے لئے عظمت اور وقعت پیدا کرنے کے لئے ہے اور آمر کی عظمت اوامر سے پہلے ہے۔ ورنہ

اوامر کا بجالانا مشکل ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کے احکامات اسی قدر رعیت میں جاری ہو سکتے ہیں جس قدر کہ بادشاہ کا دبدبہ' اس کی عظمت اور اس کی محبت دلوں میں ہوگی۔ تو یہ دعوت بہت نازک طریقہ رکھتی ہے۔ اپنے کو پیسنا پڑتا ہے اپنی حیثیت ختم کر دینی پڑتی ہے۔

ہر ایمان والا عظیم ہے

مسلمان کا مرتبہ اس کے فضائل کے بقدر دل میں بیٹھتا چلا جائے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلم کتنا ہی گنہگار ہو لیکن اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے ہماری نگاہوں میں عظیم ہو۔ تبھی ہم اس کے ساتھ اخلاق کا معاملہ کر سکتے ہیں۔ ہر مسلمان کی زیارت اپنے کو محتاج سمجھتے ہوئے کہ زیارت سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔ برکتیں حاصل ہوتی ہیں رحمتیں آتی ہیں اور محبت بڑھتی ہے اور مسلمان کی محبت ایمان کو بڑھاتی ہے۔ جب ایک ادنیٰ درجہ مسلم کی زیارت سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے تو اہلِ علم اور اہلِ ذکر مشائخ کی زیارت تو بہت عظیم ہے۔

عیب بینی کا تدارک

اس دعوت میں ایک خاص چیز یہ بھی ہے کہ لوگوں کی

کوتاہیوں، غلطیوں اور عیبوں پر نگاہ جانے سے بچا جائے اور اگر شیطان وسوسہ ڈال ہی دے تو توبہ اور استغفار سے اور اس مسلم سے محبت اور اخلاق سے ملنے سے اس کا تدارک کیا جائے اور تین چیزوں کو کام میں لایا جائے۔

۱۔ جب ملے تو اس کو سلام کرے۔

۲۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو اس کو اچھی جگہ بٹھائے اور اس کا اکرام کرے۔

۳۔ اور کبھی کبھی اسے ہدیہ دے۔

توبہ و استغفار کے ساتھ یہ تین چیزیں موثر ہیں۔

اہل علم کو اپنا سرپرست سمجھیں

اس کام میں عام لوگوں کو نکلنے کی دعوت ضرور دی جائے۔ لیکن یہ خیال رکھتے ہوئے کہ اگر یہ دعوت میں چلیں گے تو مجھ سے بہتر طریقے سے چلیں گے اور ان سے دین کے پھیلنے میں زیادہ مدد ملے گی اور اہل علم کو اپنا سرپرست سمجھ کر ان کی زیارت اور ان سے دعاؤں کا طالب بنا جائے۔ مشورہ تو ہر فن میں اس کے فن والوں سے لیا جاتا ہے مثلاً کسی کو آنکھ کے آپریشن کے بارے میں مشورہ کرنا ہے تو وہ ہر

ڈاکٹر سے مشورہ نہیں کرے گا جو ہر عضو کے تھوڑے تھوڑے امراض کا علاج کرتے ہیں' بلکہ جو خاص آنکھ کا علاج کرنے والے ڈاکٹر ہیں انہی سے مشورہ کرے گا۔ یہ تو دنیاوی مثال ہے اور دینی مثال یہ ہے کہ اگر کسی کو مسئلہ پوچھنا ہے تو اسے مفتی کے پاس جانا چاہیئے۔ ہر عالم سے مسئلہ نہیں پوچھنا چاہیئے کیونکہ مفتی مسائل کے فن کا ماہر ہے۔ اگر بغیر مشورہ لئے کوئی شخص مشورہ دینے لگے تو اس کی بات کو غور سے اہتمام سے سنا جائے اور اس کو مخلص اور خیر خواہ خیال کرے جس سے وہ یہ نہ سمجھے کہ میری بات کی قدر نہ کی۔

نبوی اصول چھوڑنے کے نقصانات

حضور اکرم ﷺ نے دنیا میں دین کو پھیلانے کے لئے کچھ بنیادی اصول قائم فرمائے ہیں۔جب تک وہ اصول پورے طور پر زندہ رہے اور امت ان پر چلتی رہی اور کام کرتی رہی دین کا ہر جزو امت کے ہر فرد کی طرف پہنچ رہا تھا اور سو فیصد دین دنیا میں پھیل رہا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد دائرہ اسلام وسیع ہو جانے کی وجہ سے اور کثرت سے قوموں کے اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے کچھ استنباطی شکلیں اختیار کرنا ضروری ہوئیں۔ لیکن وہ استنباطی شکلیں اتنی اہمیت

پکڑ گئیں کہ بنیادی اصول نگاہوں سے اوجھل ہوتے گئے جس کے تین نتائج امت پر مرتب ہوئے۔پہلا نقصان تو یہ ہوا کہ دین پوری امت میں پہنچنا بند ہونے لگا بلکہ صرف افراد اس سے مستفید ہونے لگے۔

دوسرا نتیجہ یہ آیا کہ ہر ایک نے دین کا ایک جزو اپنی محنت کے لئے مخصوص کر لیا اور اصولی طریقہ سے پورے دین پر اس کی محنت نہ رہی۔

اور تیسرا نتیجہ یہ آیا کہ آپس میں اختلافات پیدا ہو کر ایک شعبہ والے دوسرے شعبے والوں سے ٹکرانے لگے اور بدظن ہونے لگے اور بجائے معاون بننے کے مدمقابل بن گئے جس سے دین کو بہت نقصان پہنچنے لگا۔ اس لئے ان بنیادی اصولوں کو زندہ کر کے سامنے رکھ کر چلنا ضروری ہے اور ان کے تحت میں استنباطی شکلیں۔

نبوی ترتیب کے بنیادی اصول

۱۔ سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ نے ہر امتی کو داعی بنایا۔ غریب ہو یا امیر، کاشتکار ہو یا تاجر ہر ایک دین کا داعی تھا۔ کیونکہ جب سو فیصد امت دعوت دے رہی ہوگی تو دین سو فیصد انسانوں میں آجائے گا۔ ہر ایک کی دعوت اس کے علم

کے بقدر تھی۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ نے دین سیکھنے سکھانے کا اصل مرکز مسجد کو بنایا صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد میں آکر دین سیکھتے تھے جس میں ان کے تین طبقات تھے۔

ایک وہ طبقہ جو بیوی' بچوں اور دنیا کے مشغلوں سے فارغ تھا یہ اصحابِ صفہ میں داخل تھا۔

دوسرا طبقہ جو معمولی مشغلہ اپنی معیشت کے لئے کرتا لیکن اکثر وقت اس کا دین کے لئے فارغ تھا۔ اس میں اکثر مہاجرین تھے۔

تیسرا انصار کا وہ طبقہ جو اپنی کھیتی باغات کے کاموں اور دوسرے مشاغل میں مصروف ہوتے۔ کوئی رات کو' کوئی دن میں کوئی آدھا دن' کوئی آدھی رات سیکھنے میں لگاتا تھا۔ اسلام میں نئے آنے والے بڑھتے جارہے تھے یہاں تک کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں بہت سے شہر فتح ہوچکے تھے اور قومیں اسلام میں داخل ہورہی تھیں۔ لیکن مسجد سے باہر کوئی عمارت دین سیکھنے کے لئے نہیں تھی۔ بلکہ مسجد میں ہی توسیع کی جاتی رہی۔ اس میں خاص راز یہ معلوم ہوتا ہے

کہ جن آداب اور کیفیات کے ساتھ دین مسجد میں لیا جا سکتا ہے مسجد سے باہر لینا عادتاً ناممکن ہے مثلاً مسجد میں دنیا کی باتوں سے حفاظت' ہنسی مذاق سے حفاظت' باوضو رہنا' ذکر کی کیفیت سے رہنا اور تکبیر اولیٰ سے نماز پڑھنے کا اہتمام وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو دین سیکھنے میں عظمت اور عزیمت پیدا کرتی ہیں اور عمل کی توفیق کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

دین سیکھنے کے لئے بڑوں کو جو مکلف ہیں اور قرآن کریم میں مخاطب میں اول قرار دیا گیا ان سے یہ نہیں کہا گیا کہ تم تو تجارت اور کھیتوں میں ہونے کی وجہ سے معذور ہو اپنے بچوں کو ہمارے پاس بھیج دیا کرو' اصحاب صفہ ان کو دین سکھایا کریں گے۔ بلکہ بڑوں کو اہتمام سے بلایا۔ بوڑھا ہو یا جوان' کھیتی والا ہو یا تاجر اس کو دین سیکھنے پر آمادہ کیا' کیونکہ دین کو اپنے گھر میں' اپنے کاروبار میں' اپنے معاملات میں بڑا ہی نافذ کر سکتا ہے' چھوٹوں کا کام نہیں اور جنت اور دوزخ کا یقین کر کے بڑا ہی چل سکتا ہے چھوٹا نہیں اور اوامر خداوندی کی عظمت بڑا ہی سمجھ سکتا ہے۔

۴۔ دین کو بغیر اجرت سیکھنے سکھلانے کا نظام قائم فرمایا اور ہر

شخص کو اپنے ماتحت کو دین سکھلانے کا ذمہ دار قرار دیا۔ کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ جب ہر شخص اپنے گھر میں دین سکھائے گا اور اپنے بچوں کو معلم بنائے گا تو اجرت اور معاوضہ کا سوال ہی نہیں آئے گا۔ اس طرح بغیر مال کے ہر شخص دین کا سیکھنے والا اور سکھلانے والا بن سکتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بنے' کیونکہ دین انسانوں کی روحانی زندگی کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسے جسمانی زندگی کے لئے ہوا اور پانی۔ حق تعالیٰ نے ہوا اور پانی تمام انسانوں کے لئے مفت ہی رکھا۔ ایسے ہی دین کو سیکھنے اور سکھلانے کو بھی بغیر معاوضہ کے رکھا گیا تاکہ ہر غریب' مسکین' یتیم' گاؤں کے رہنے والے' جنگل کے رہنے والے' پہاڑ کے رہنے والے دین سیکھ سکیں۔ دین سیکھنے سکھانے کے لئے نہ چندہ جمع کیا گیا نہ اس کی ترغیب' نہ کسی کی روٹی باندھی گئی نہ کسی کو روٹی باندھنے کی ترغیب دی گئی۔ اصحاب صفہ کا کھانا نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر بندھا ہوا تھا نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن

عوف ؓ کے گھر۔ نہ امن کے لئے اغنیا سے چندہ لیا جاتا تھا۔ بلکہ ان کو فاقوں میں دین سیکھنا پڑتا تھا جس سے دین کی عظمت اور اہمیت ان کے دلوں میں بڑھتی تھی۔ مدرسہ پر مال خرچ کرنے والے مدینہ منورہ میں بہت تھے جو ایک اشارہ میں پوری دولت خرچ کر ڈالیں۔ مال خرچ کرنے کی ترغیب جہاد کے لئے دی گئی کیونکہ اس کے لئے سواری' ہتھیار اور راستہ کا خرچ ضروری تھا۔

۵۔ دین میں سب سے پہلے ایمانیات اس کے بعد اخلاقیات سکھائے جاتے تھے۔ جس کا پتہ اس حدیث سے چلتا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب سے جو سوالات شاہ حبشہ نے کئے کہ تمہارے نبی ﷺ تمہیں کیا تعلیم دیتے ہیں۔ انہوں نے جو جوابات دیئے وہ قابل غور ہیں کیونکہ احکامات پر عمل انہی صفتوں سے ہو سکتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا آسان نہیں رہتا۔ آج ہمارے اس زمانے میں دین سیکھنے سکھلانے کی ترتیب بدل جانے کی وجہ سے عمل کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ اگر ان دو چیزوں کو پہلے سکھایا جائے تاکہ انسان کی ایمانی طاقت آخرت کے استحضار کے ساتھ صحیح

کامل ہو جائے۔ اخلاقیات اندر آجائیں تو پھر اخلاقی مسائل پر بھی عداوت کا اور مجادلہ کا میدان قائم نہیں ہو گا۔ بلکہ صحابہ ﷺ کی طرح جزوی اختلافات کے باوجود اتفاق و اتحاد' الفت و محبت و اکرام باقی رہے گا۔

ان بنیادی اصولوں کو قائم کرتے ہوئے پھر استنباطی شکلیں' مدارس اور خانقاہوں کی اور بچوں کو تعلیم دینے کی بہت مفید ثابت ہوں گی اور یہ شکلیں بھی بہت ضروری ہیں مگر ان کی ضرورت بنیادی اصولوں کی ضرورت سے کم ہے۔ آج بنیادی چیزیں باقی نہ رہنے کی وجہ سے ایمانیات اس قدر کمزور ہو چکے ہیں کہ فرائض کا اہتمام نفلوں سے گھٹ گیا جس کی وجہ سے دین اپنی اہمیت اور عظمت کے ساتھ اور توکل اور تقویٰ کے ساتھ نہیں سیکھا جا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین والوں میں اختلافات جس قدر عداوت کو پہنچے شاید دنیا والوں کے بھی نہ پہنچے ہوں۔

دعوت کے میدان میں سیکھنا' سکھانا

اگر ہمارا سیکھنا سکھانا صحابہ کرام ﷺ کی ترتیب پر آجائے کہ ہم دعوت کے میدان میں چلتے ہوئے سیکھ رہے ہوں اور سکھا

رہے ہوں تو اب بھی دین کا ہر جزو اور ہر شعبہ سو فیصد امت میں زندہ ہو سکتا ہے اور علم و ذکر جو پورے دین کی ماں ہیں اور ہر فرد کے لئے روح ایمانی کو تقویت دینے والا ہے۔ ہر کچے اور پکے گھر میں' ہر قلب سلیم میں اپنی عظمت کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے۔

ایمانی صفات

اعمال بغیر صفاتِ ایمانی کے کمزور اور بے جان ہیں یہ صفاتِ ایمانی' تقویٰ' توکل' زہد فی الدنیا' قناعت' صبر و شکر اور حُب ہیں۔ جب یہ صفاتِ اعمال جھلکتی ہیں تو اعمالِ حسنہ وجود میں آتے ہیں اور رغبت و رہبت کی کیفیت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور جب یہ صفات مسلم کے اندر پیدا ہونی بند ہو جاتی ہیں تو اعمال مشکل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اعمال صالح سے یقین پیدا ہونے کی بجائے دنیا کی چیزوں سے یقین بنتا چلا جاتا ہے۔ پھر دین پر دنیا رائج ہوتی چلی جاتی ہے۔ دنیا انسان کے دل و دماغ پر ایسا تسلط کرتی ہے اور قلب میں ایسی عظمت و محبت پیدا کر دیتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں فرائض کے ادا کرنے کی بھی پروا نہیں کرتا۔ اس لئے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کا طرزِ طریق صفاتِ ایمانی پیدا کرنے والا ہے اور صفات ہی سے مومن' مومن کے لئے عالیشان بنتا ہے اور امیر غریب کا اور غریب امیر کا ہمدرد

بن جاتا ہے۔ ہر ایک کو "ما علیہ" کا فکر بڑھتا جاتا ہے۔

ہماری بے اصولیاں رکاوٹ ہیں

معافی چاہنا اور معاف کر دینا حق تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ جب یہ دونوں صفتیں مسلم کے اندر آجاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے "عفو" اور "کریم" بن جاتے ہیں۔ اگر لوگوں کو یہ پتہ چل جائے' عوام ہوں یا خواص کہ اس دعوت کے ذریعے کیا چاہا جا رہا ہے اور اس پر کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں تو ہر ایک اس میدان میں چلنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینے پر تیار ہو جائے' لیکن ہم نا اہل اپنی بات کو سمجھا نہیں سکتے اور شیطان جو ہمارا قدیمی دشمن ہے اور نفس جو امّارہ بالسوء ہے وہ ہمیں صحیح طریق سے دعوت میں چلنے سے مانع رہتا ہے۔ یہ دعوت دشمنوں کو دوست بنانے والی ہے۔ لیکن ہماری بعض بے اصولیوں سے اپنے بھی غیر بن جاتے ہیں۔ ہم بات کو سمجھتے نہیں' حکمت اور مردم شناسی کو پیش پیش رکھ کر چلیں تو انشاء اللہ تعالیٰ ؛ ایک اپنا بنتا چلا جائے گا۔

اکرامِ مسلم سب سے بڑا ہتھیار ہے

اکرامِ مسلم سب سے بڑا ہتھیار ہے جو دشمنوں کی گردنوں

کو زیر کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے کرنے کے لئے نفس پر بڑا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ مقابل کی لعنت و ملامت کو برداشت کرنا اور اس کی اذیتوں پر تحمل کرنا پڑتا ہے جس سے خود بھی بن جاتا ہے اور اوروں کو بھی بنا دیتا ہے۔ **ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن۔** (نیکی اور بدی برابر نہیں ہے تو اس چیز کے ساتھ بدلہ دے جو اچھی ہو) ہر وقت پیش نظر رہے۔ ہم کسی مسلمان کو مخالف اور دین کا رد کرنے والا نہ سمجھیں بلکہ یوں سمجھیں کہ بہت سے احوال اس کے لئے ہماری بات قبول کرنے میں مانع ہیں۔

عدم قبولیت کی وجہ

اگر وہی دین کی بات جو اس کو ایسا شخص کہے جس سے وہ عقیدت اور محبت رکھتا ہے تو فوراً مان لے گا۔ معلوم ہوا کہ وہ دین کا مخالف نہیں بلکہ ہمارے احوال کی وجہ سے ہم سے ڈرتا ہے اور قبول کرنے میں تردد رکھتا ہے کہ کہیں وہ ہم سے دھوکا نہ کھا جائے۔ لیکن ہر وہ مسلمان جو کلمہ گو ہے اللہ اور رسول ﷺ کی بات کو رد نہیں کر سکتا جب کہ اسے یہ یقین ہو جائے کہ بیشک یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی بات ہے۔ مگر زمانہ حال کے طرز طریق نے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا۔ کیونکہ بہت سے فرشتہ صفت ظاہری

لوگوں نے دین سے بھی دنیا والوں کو دھوکہ دیا اور اپنی عزت اور اپنی دنیا کو بنانے کی کوشش کی۔ اس لئے دنیا ڈری ہوئی ہے اور یہ مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونک کر پیتا ہے۔

محرومی کے اسباب

ایک بات سمجھنے کی یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو سمجھا ہوا نہ سمجھیں تاکہ ہم اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہیں اور ترقی کرتے رہیں۔ جب آدمی اپنے آپ کو کامل سمجھ لیتا ہے تو آگے کی ترقی کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور شیطان اس کو وہیں سے گرا دیتا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس ﷺ کا ایک ملفوظ ہے کہ مجھے اس کام کرنے والوں پر دو خطرے ہیں ایک یہ کہ کام نہ کر رہے ہوں اور سمجھیں کہ ہم کام کر رہے ہیں۔ کام تو ان چھ چیزوں کو اپنے اندر لانے کا نام ہے۔ اگر یہ چھ باتیں ہمارے اندر آجائیں تو ہم کامیاب ہیں اور ہم کام کر رہے ہیں اور اگر یہ باتیں ہمارے اندر نہیں آ رہی ہیں تو خواہ کتنے ہی لوگ ہماری بات پر لبیک کہہ رہے ہوں تو ہمارا کام نہیں ہوا۔

دوسرے یہ کہ اسباب کے ہوتے ہوئے اسباب پر نگاہ نہ

جائے۔ یہ تو مشکل ہے مگر اسباب پر نگاہ جانے سے اللہ تعالیٰ کی مدد ہٹ جاتی ہے۔

بندہ کو غور کرنے کے بعد ایک بات سمجھ میں آئی کہ اگر کسی شخص کی نگاہ اپنے اوپر پڑ جاتی ہے کہ میں کچھ کرنے والا ہوں اور میری وجہ سے دعوت چل رہی ہے' خواہ کسی علاقے میں یا پوری دنیا میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں اس سے محروم نہ کردیں اور ایسا ہوتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ اگر لوگوں کی نگاہ کسی ایک شخص پر جم گئی کہ اس کی وجہ سے یہ دعوت کی گاڑی چل رہی ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو ان میں سے اٹھا لیتے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں اسباب پر اعتماد کرنے کی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی کر رہے ہیں کبھی اسباب کے پردوں میں' کبھی بغیر اسباب کے۔ ہر وقت نگاہ اور دل کا رخ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رہنا چاہئے۔ نیز یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی دین کی چیز کا استخفاف کیا گیا تو استخفاف کرنے والا بڑے خطرے میں آجاتا ہے اور یہاں تک کہ بعض مرتبہ ایسے اعمال کرنے لگتا ہے یا ایسی باتیں کہنے لگتا ہے جو اس کے ایمان پر سخت زد ڈالتی ہیں۔

اعتراض سے بچا جائے

نیز کسی پر اعتراض کرنا اس دعوت کے مزاج کے خلاف ہے۔ بڑے حضرت جی نوراللہ مرقدہ کا مقولہ ہے۔

"اعتراض حرام ہے اور اصلاح فرض۔"

اعتراض فساد کی طرف لے جاتا ہے اور دلوں میں عداوت پیدا کرتا ہے۔ اور اصلاح حزن اور غم کی طرف لے جاتی ہے۔ آج امت کے حال پر حزن اور غم کو بڑھانا چاہئے جو ہمارے اندر سے نکل گئی ہے۔ اعتراضی شکلوں سے حفاظت کرنی چاہئے جو روز بروز ہمارے اندر پیدا ہو رہی ہیں۔ اعتراضات ہی کی وجہ سے آج امت ٹکڑے ٹکڑے ہوتی جا رہی ہے۔ اگر ہر شخص امت پر غم کھانے والا اور ایک ایک شخص پر رحم کھانے والا بن جائے تو یہ دعوت چلے گی بلکہ اس دعوت میں تو یہاں تک چلنا ہے کہ دوسروں کو اعتراضات کا جواب بھی نہیں دینا ہے۔ نہ تحریر سے نہ تقریر سے اور نہ کنایۃ "نہ صراحۃ" اس سے بھی عداوت کا دروازہ کھلتا ہے بلکہ اعتراض کرنے والے کا اکرام کر کے اس کو قریب کیا جائے اور اپنے سے مانوس بنایا جائے اس کے بعد اعتراض خود رفع ہو جائے گا اور بات سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

اعتراض اور اشکال میں فرق

اعتراض اور اشکال میں فرق ہے۔ اشکال اپنے عمل کے اقرار کے ساتھ ہوتا ہے کہ میں اس چیز کو نہیں جانتا اور مسئول علیہ کی عظمت کا اقرار ہوتا ہے اور اعتراض میں اپنے علم کا دعویٰ ہوتا ہے اور مسئول علیہ کے جہل کا۔ اس لئے اشکال تو کیا جاسکتا ہے بات کے سمجھنے کے لئے' لیکن بعض مرتبہ آدمی اعتراض کو اشکال سمجھنے لگتا ہے اور یہ شیطانی دھوکہ ہوتا ہے کہ میں صرف اشکال کرتا ہوں۔

حکمت

• نیز اس دعوت میں حکمت سیکھنی پڑتی ہے جو فہم میں معین و مددگار ہوتی ہے۔ اصل تو حکمت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جس کو بھی دے دیں۔ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ **ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا**۔ لیکن اس کا تعلق سیکھنے سے بھی ہے صرف عطائی نہیں جیسا کہ دوسری آیات میں آیا ہے۔ "**ولیعلم الکتاب و الحکمۃ**" تو جیسے کتاب سیکھی جاتی ہے۔ حکمت بھی سیکھی جاتی ہے۔ مگر یہ حکمت اس کو آتی ہے جس کے اندر صفات قدسیہ

پیدا ہو جائیں اور صفات شہوانیہ مغلوب ہو جائیں۔ لہٰذا حکمت کے ذریعہ لوگوں کے قلوب کو حق کے لئے انشراح کرانے میں حق تعالیٰ کی طرف سے دعا کے ذریعہ مدد کی جائے ورنہ الفاظ حکمت منافق کی زبان پر بھی آجاتے ہیں اور اس مقولہ کا مصداق بن جاتے ہیں "السنتهم السنته الحکماء و قلوبهم قلوب المنافقین والاعاصم"۔

تواضع

اس دعوت میں جس قدر تواضع اور انکساری بڑھتی رہے گی اپنا جہل کھلتا رہے گا۔ اور جہل کے بعد علم کا دروازہ کھلتا رہے گا کیونکہ اس سے طلب صادق پیدا ہوتی ہے اور طلب ہی ہر چیز کا دروازہ کھولتی ہے۔

بڑوں کی صحبت اور مشورہ

نیز جو اپنے کو بزرگوں کی نگرانی میں نہیں چلاتے ہیں۔ شیطان ان کو بہکا دیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں سے دنیا میں سب سے بڑے فتنے اٹھے ہیں۔ حضور پاک ﷺ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں چلتے تھے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اور اپنے صحابہ ﷺ کے مشورہ

جیسا کہ قرآن پاک میں حکم ہے "وشاورھم فی الامر" ایسے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم حضور پاک ﷺ کی نگرانی میں چلتے تھے جیسے کہ قرآن پاک میں حکم ہے۔ "وامرھم شوری بینھم"۔ اس طرح بعد میں آنے والے اپنے سے پہلے کی نگرانی میں چلنے والے تھے۔ جس سے امت ایک دوسری سے جڑی ہوئی تھی اور ہدایت یافتہ تھی۔ یہ دونوں فائدے اس بات پر مرتب تھے۔ اب جب سے ہم نے اپنے بڑوں کی نگرانی اور مشورہ کو چھوڑا ہے اس وقت سے بکھر گئے اور گمراہی کے راستہ پر چل پڑے۔ ہر شخص اپنی رائے کو صحیح سمجھنے لگا جو ایک خطرۂ عظیم ہے۔ شیطان نے اپنی رائے کو صحیح سمجھا تو خدا کا حکم بھی نہ مان سکا۔ صرف یہ کہا کہ ہم نے از خود مولانا الیاس صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے فیض صحبت کے ذریعے اور ان کا کلام براہ راست سننے کے ذریعے سارے اصول اخذ کر لئے اور ہم کسی کے مشورہ کے محتاج نہیں یا بڑوں کی نگرانی کے محتاج نہیں، بڑی نادانی ہے اور بڑے خطرے کی چیز ہے ایسا شخص نہ کبھی امت کو جوڑ سکتا ہے نہ جڑ سکتا ہے۔ اس دعوت میں دو ہی بڑے کام ہیں ایک حق پر جوڑنا اور دوسرا جڑنا۔

چھ نمبر اور کام

یہ چھ نمبر خواہ منصوص من القرآن و حدیث قطعی نہ ہوں لیکن مستنبط من القرآن و حدیث اس درجہ پر ہیں کہ کوئی امت کا صحیح علم و یقین والا انکار نہیں کر سکتا اور ان پر اعتراض کی گنجائش نہیں رکھتا۔ رہا طریقۂ کار تو اس کی جو شکل اس میں اختیار کی گئی ہے جیسے گشت۔ تعلیم کے حلقے کرنا اور نکلنا اور نکالنا اس میں غور کرنے سے دو باتیں معلوم ہوں گی۔

ایک یہ کہ دلوں کا رخ اللہ تعالیٰ کی اور آخرت کی طرف بدلتا ہے یا نہیں تو تجربہ سے سب کے سامنے یہ بات آگئی کہ اس نظام میں منسلک ہونے والے کا رخ اللہ تعالیٰ اپنی طرف بدل دیتے ہیں۔ دوسرے اس طریقہ کار سے تواضع، محبت اور صفاتِ حمیدہ پیدا ہوتی ہیں لیکن یہ جب ہی ہیں جب کہ خالصۃ" اللہ کے لئے اور اصول کے مطابق نکلا جائے۔ اور کوئی اغراض درمیان میں نہ آئیں اور نکلنے کے بعد اپنے اوقات کو صحیح طریق سے امیر کی اطاعت میں گزارا جائے۔

امتحان، ترقی کا ذریعہ ہے

کبھی کبھی حق تعالیٰ اس کام کے کرنے والوں پر ابتلا د امتحان

کی شکل بھی لاتے ہیں جو کام کرنے والوں کے لئے مدد اور نصرت کا دروازہ کھولنے کے لئے ہوتی ہے۔ کبھی بغیر امتحان اور ابتلا کے نصرت غیبی نہیں آتی۔ "**ولنبلونکم بشئی** (بقرہ) **ام حسبتم ان تدخلوا الجنتہ**" (آل عمران) آیات قرآنی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام ابتلا والے اور امتحاناتی میدان اس پر دلالت کر رہے ہیں۔ نیز اس سے اخلاق میں ترقی ہوتی ہے۔ اسباب سے یقین ہٹتا ہے حکمت کے پردے کھلتے ہیں بصیرت بڑھتی ہے' غیبی نظام سمجھ میں آتا ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی بڑی حکمتیں اس کے اندر مضمر ہیں' جن کو ہماری عقل نہیں سمجھتی' لیکن اپنی کمزوری اور بے بسی کی وجہ سے دعائیں اور آہ و زاری اس درجہ کرتے رہنا چاہئے کہ بے ساختہ زبان سے نکلے "**متی نصر اللہ**" (اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی) صرف تکلیف سے نہیں بلکہ بے چینی اور بے قراری کے ساتھ زبانیں بے اختیار ہو کر یہ الفاظ کہنے لگیں۔ اس پر "**الا ان نصر اللہ قریب**" (خبردار اللہ کی مدد قریب ہے) وجود میں آئے گا۔ جب امتحانات ختم ہو جاتے ہیں تو خطرے کی گھاٹیاں شروع ہو جاتی ہیں اور یقین گھٹنے لگتا ہے۔

حضور پاک ﷺ کا ۲۳ سالہ دور امتحان و ابتلا ہی میں

گزرا۔ ایسے ہی ابو بکر صدیق ﷺ کی خلافت کا زمانہ بھی' خلافت فاروقی میں وہ امتحان و ابتلا ختم ہو گیا اور ہر طرح کی آسانی اور سہولت کا دور شروع ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ذرا سنبھلنا پڑا۔ اس سے قبل تو حق تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء و امتحانات ہی زرہ کا کام کر رہے تھے۔ اسی طرح سے ہم نے مولانا الیاس صاحب نوراللہ مرقدہ کا زمانہ کچھ سنا' کچھ دیکھا وہ بھی کسی قدر ابتلاء و امتحانات کا معلوم ہوتا تھا۔ لوگوں کا عام استقبال نہ تھا اور شاید ہی تین دن کے لئے کوئی نکلتا تھا۔ تعریف کرنے والے خال خال' بدظنی کرنے والے اکثر۔ یہاں تک کہ علماء بھی مایوسی دلاتے تھے یا اس کام پر اشکالات کرتے تھے اور بہت سے اعتراضات کرتے تھے۔ جماعتوں کا نہ تو استقبال تھا نہ کھانے کی دعوت' بلکہ اپنی مسجدوں میں ان کا ٹھہرنا بھی ناگوار سمجھتے تھے۔ پیدل چلنا' چنے چبانا' پتے کھانا اور اس پر بھی بات سننے کے لئے کسی کا تیار نہ ہونا' بڑا امتحان تھا لیکن اب دور فاروقی کی طرح استقبال ہے اور دعوتوں کا اس قدر زور ہے کہ ہر لحاظ سے شہوتوں اور لذتوں کے پورا کرنے کا موقع ہے۔ لیکن اس زمانے میں بڑی بڑی کمائیوں کو چھوڑ کر اور اپنے عیش و آرام کے گھر کے نقشوں کو چھوڑ کر نکلنا بھی کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس وقت فارغ زیادہ تھے

اس وقت مشغول زیادہ ' یہ بھی ایک قربانی ہے' اس وقت کام کم تھا لہٰذا ذکر اور تہجد کے لئے وقت فارغ ہوتا تھا۔ اور اب کام زیادہ جماعتوں کی مشغولی' تشکیل' ہدایات روانگی وغیرہ اوقات کو اس قدر گھیر گئیں کہ ذکر کا پورا کرنا بھی مشکل اور رات کا تہجد پڑھنا بھی۔ یہ ایک فطری چیز ہے اس سے نا امید ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

کام کا پھیلاؤ ہی گہراؤ کا ذریعہ ہے

آج ایک فقرہ زبانوں پر آرہا ہے کہ کام میں پھیلاؤ کی بجائے گہراؤ پیدا کرو۔ بندہ کو یہ فقرہ شیطان کا وسوسہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ نہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں کیا گیا اور نہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں کہ پھیلاؤ کو روک کر گہرائی میں لگو۔ ورنہ دعوت کا مزاج تو یہ ہے کہ پھیلاؤ کے ساتھ ہی گہرائی کی جس قدر کوشش اپنے لئے ہو سکے کرنی چاہئے کیونکہ پھیلاؤ کو روک کر گہرائی میں لگنے ہی سے دعوت ختم ہو جاتی ہے۔ دنیا والوں نے بھی اپنے کاروبار میں اس کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ اپنی چیزوں کو پھیلانے میں کوشش بڑھتی ہی چلی جارہی ہے اور گہراؤ ان کا کم ہوتا چلا جاتا ہے۔

یہ ایک قدرتی نظام ہے کہ جب پھیلاؤ زیادہ ہو گا تب گہرائی

میں کمی آئے گی۔ جب حضرت عمر ﷺ کے زمانے میں نئے نئے شہر فتح ہوئے اور اسلام چاروں طرف پھیلا اس وقت گہرائی کی کیفیت کم ہوگئی اور لوگوں میں ہر چیز کی کیفیت گھٹ گئی۔ خود یہ آیت "لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل" (1) اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ گہرائی فتح مکہ سے قبل تھی اس میں کمی آئی! اس میں ایک دقیق اشارہ ہے جو ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آئے گا بلکہ بہت سوں کا اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ پھیلاؤ کو روک کر گہراؤ میں لگنا دعوت کا مزاج نہیں ہے اور دعوت جب چلے گی تو پھیلاؤ ضرور ہوگا۔ دعوت ہے ہی پھیلانے کے لئے اور جو نئے اسلام میں آئیں گے یا دعوت میں کھڑے ہوں گے ان کا گہراؤ پرانوں کی طرح نہیں ہو سکتا جیسا کہ "لایستوی من انفق" کی آیت دونوں طبقوں میں فرق کر رہی ہے اور خلفائے راشدین کا دور بھی فرق دکھلا رہا ہے کہ جو گہراؤ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کے زمانہ میں تھا وہ حضرت عمر ﷺ کے زمانے میں نہیں رہا اور جو ان کے زمانے میں تھا وہ حضرت عثمان غنی ﷺ کے زمانے میں نہیں رہا لیکن اسلام اقصاء عالم میں پھیلتا چلا گیا لہٰذا لوگوں کو اس فقرہ سے دھوکا میں نہیں پڑنا

(1) تم میں سے کوئی اس کے برابر نہیں جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا۔

چاہئے۔ لیکن کام کرنے والوں کو متوجہ ضرور کرتے رہیں کہ وہ اپنے اندر صفاتِ حمیدہ اور یقین کو بڑھانے کی سعی کرتے ہوئے چلیں۔

انبیاء علیہم السلام کی سیاست

اس میں ایک بہت بڑی چیز یہ شرط ہے کہ زمانہ حال کی سیاست میں نہ پڑا جائے کیونکہ یہ سیاست سیاست نبویہ سے بالکل علیحدہ ہے اور بہت بعید ہے۔ جب بدر کی طرف جاتے ہوئے حضور پاک ﷺ کو راستہ ہی میں معلوم ہو گیا کہ ہمارے مقابلے کے لئے مکہ کے قریش نکل کھڑے ہوئے اور ظاہر تھا کہ وہ اپنی پوری طاقت اور اسباب کے ساتھ نکلے ہیں۔ اور مدینہ منورہ حضور پاک ﷺ کے قریب ہی تھا' دو ہی منزل چلے تھے تو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ سے اپنی طاقت کیوں نہیں بلائی؟ حالانکہ ہتھیار بھی منگوا سکتے تھے اور آدمی بھی بلا سکتے تھے کیا چیز مانع تھی؟ کیا سیاست تھی؟ اس میں کیا راز تھا؟ اسی طرح تمام غزوات اور اسفار ایک گہرا سبق اور گہری سیاست رکھتے ہیں' جو اس زمانہ کے اہل سیاست کے دماغوں پر ضرب لگاتی ہے۔ غزوہ موتہ میں حضور پاک ﷺ کو جنگ کا نقشہ دکھلایا گیا اور یہ بھی جانتے تھے کہ جس تھوڑی سی تعداد کو ہم بھیج رہے ہیں وہ

رومیوں کے جمّ غفیر کے مقابلے میں بہت کم ہے اور آپ ﷺ کے پاس اس وقت مسلمانوں کی تعداد کچھ کم نہ تھی تو اس میں کیا راز تھا؟

سیاست دنیاوی مفاد کو حاصل کرنے کے لئے کافر کی بھی ہو سکتی ہے لیکن لوگوں کے دلوں کا رخ اللہ کی طرف پھیرنے کے لئے نبی ہی کی سیاست ہو سکتی ہے۔ نبی کی سیاست سے لوگوں کے اندر توکل اور تقویٰ کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ اور اس زمانہ کی سیاست سے بچنا ضروری ہے۔ اس سیاست سے تو امت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ کافروں پر کیا غالب آئیں' اپنوں کو بھی نہیں جوڑ سکتے۔

فروعی اختلافات سے اجتناب

نیز فروعی اختلافات سے بچنے کی اس کام میں سخت ضرورت اور تاکید ہے۔ زمانہ کے فروعی اختلافات لڑائی اور جنگ و جدال کا راستہ اختیار کر چکے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فروعی اختلافات سے محبت اور اتفاق و اتحاد کم نہیں ہوتا تھا۔ اور اس سے مخالفت پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اور آج مخالفت اس درجہ پر پہنچ گئی ہے کہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کرنے لگے۔ محبت کے بجائے عداوت پیدا ہوگئی۔ اس لئے اس قید کو لگا کر امت کے اختلاف اور

انتشار کو ختم کیا ہے۔ اہل حق کے تمام مذاہب اس کام کو کرتے چلے جا رہے ہیں اور ان کے علماء بھی اس اصول کو پسند کر کے اس کام کی تائید فرما رہے ہیں۔

بیان کے آداب

اس کام میں سب سے بڑا خطرہ بیان کرنے والوں پر ہے وہ یا تو اپنے بیانات اصول سے ہٹا دیتے ہیں۔ کسی پر رد، کسی پر ضرب، کسی پر اعتراض، کسی کی تنقیص، یا پھر بیانات میں تواضع کی بجائے کبر کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ہمارے لئے بہت خطرہ کی چیز ہے، طریقہ بیان خوشامدانہ جیسے چھوٹا بڑوں سے کوئی بات کہہ رہا ہو۔ اس واسطے جب کسی چیز کی کمی کو بیان کریں اور کسی چیز کا نقص بیان کریں تو اس میں لفظ "ہم" استعمال کرنا چاہئے کہ ہم سے یہ قصور ہو رہا ہے، ہم میں یہ کمی ہے۔ اور جب تعریف کا وقت آئے تو لفظ "آپ" استعمال کرنا چاہئے اور یہ چیز صرف رسماً" نہیں بلکہ اعتراف قصور کے جذبہ سے ہونی چاہئے۔ اپنا قصور اور اپنی کمی اوروں سے زیادہ سامنے ہو تا کہ دوسروں کے قصور اور کمی کی وجہ سے ان پر اعتراض یا نفرت کی شکل پیدا نہ ہو کیونکہ وہ بھی اکرام کے خلاف ہے۔

اکرام مسلم

اکرام مسلم ایک اہم نمبر رکھا گیا ہے۔ اصل اکرام تین طبقات کا ہے۔ایک اپنے ساتھی' دوسرے علماء' تیسرے عوام الناس' ان تینوں طبقات کا اکرام کرنے کی دل کے ساتھ اور اخلاص کے ساتھ کوشش کرنی چاہئے۔اور اس کی مشق کرنی ہے۔اور وہ مشق ایسی نہیں کہ جیسے غیر مسلم قومیں کرتی ہیں بلکہ ہر ایک کی کسی نہ کسی صفتِ حمیدہ کو سامنے رکھ کر کہ وہ صفت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔کم از کم مسلمان میں اگر اور صفت نظر نہ آئے تو کلمہ کو ہونے کی صفت ضرور ملے گی اور یہ سب سے بڑی صفت ہے۔اور اس کا لحاظ کر کے اکرام کرنا گویا کہ کلمے کا ہی اکرام ہے اور کلمہ کا اکرام اللہ تعالیٰ ہی کا اکرام ہے۔

ساتھیوں کا اکرام

جو اپنے ساتھیوں سے بے اکرامی یا بد خلقی سے پیش آئے تو یہ دوسروں کا کتنا ہی اکرام کرے۔ اکرام اس کی صفت نہیں بنے گی اور ایک رسم ہی سمجھا جائے گا۔اپنے ساتھیوں کے اکرام میں اپنے گھر

والوں اور رشتہ داروں کا اکرام بھی ہے۔ اس کے بعد خواص' کفار کا بھی اکرام ہے۔ جب عدی بن حاتم حضور پاک ﷺ کے پاس اسلام لانے سے پہلے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنی چادر پاک اس کے لئے بچھادی اور اپنے صحابہ ؓ سے خطاب کر کے فرمایا "اذا اتاکم کریم قوم فاکرموه" (جب تمہارے پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کا اکرام کرو)۔

اکرام کے اہم اصول

اکرام میں چار چیزوں کا اصولی طریقہ سے لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ باقی چیزیں انہی کے اجزا ہیں۔

(الف) ایک اذیت پر صبر۔

(ب) اپنا مال ان پر خرچ کرنا۔

(ج) ہر ایک کے ساتھ انبساط طلق الوجہ (مسکراتے چہرے) کے ساتھ ملنا۔

(د) اور معاملات میں نرمی کرنا۔

اگر ان چیزوں کی مشق کرتے ہوئے ہم اکرام سیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ سے دل کے ساتھ مانگیں گے تو انشاء اللہ یہ صفت

حاصل ہوگی۔ سب سے اونچے درجات اکرام کرنے والوں کے ہیں اور سب سے بڑی جاذبیت اکرام کرنے والوں میں ہے۔ دشمن بھی زیر ہو جاتے ہیں۔ پرائے بھی اپنے بن جاتے ہیں۔ "ولا تستوی الحسنته ولا السیئته" (حم سجدہ) کی آیت اس اکرام کو سکھانا چاہتی ہے اور اس کا نتیجہ بتلا رہی ہے۔

حصول علم میں ترتیب صحابہ رضی اللہ عنہم

علم کا نمبر بھی اس میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ امت کو اگر طریقہ نبوی ﷺ علم کے سیکھنے سکھلانے کا معلوم ہو جائے تو سو فیصد امت میں علم زندہ ہو جائے اور اس دعوت میں اس طریق کو زندہ کرنا ہے۔ ہمارے زمانے کا طریق خواص کے لئے ہے' عوام کے لئے نہیں۔ اس لئے ایک طبقہ علم کے بلند مرتبوں کو پہنچ رہا ہے کہ قرآن کے حقائق اور دقائق بیان کرتا ہے اور دوسرا طبقہ کلمہ سے بھی ناواقف ہے اور فرائض کو بھی نہیں جانتا اور امہات العقائد کی بھی خبر نہیں۔

اگر علم کا وہ طریق زندہ ہو جائے جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے علم لیا تو دونوں طبقوں میں افادہ اور استفادہ کا تعلق بھی قائم ہو جائے گا

اور ہر آدمی کے اندر بقدر ضرورت علم بھی آجائے گا۔ چونکہ زمانہ کا رواج علم کے بارے میں اور اس کا نقشہ دماغوں میں دوسرا بن گیا ہے اس لئے تبلیغ والوں پر اعتراض یہ ہے کہ یہ علم کی طرف رغبت نہیں کرتے اور نہ لوگوں کو رغبت دلاتے ہیں۔ دوسرے عوام الناس کو جن کو کلمہ اور نماز تک کے سیکھنے کی ضرورت ہے امہات العقائد جاننے کی ضرورت ہے' حلال و حرام پہچاننے کی ضرورت ہے' معاملات کے علم کی ضرورت ہے' ان کو قرآن و حدیث کے وہ حقائق اور دقائق سنائے جارہے ہیں کہ جو ان کے لئے بغیر پہلی چیزوں کے صحیح ہوئے زیادہ فائدہ نہیں رکھتے۔ یوں آتا ہے "علموا الناس علی قدر عملهم وعلی قدر حاجاتهم"(۱) جس چیز کی پہلے ضرورت ہے اس کا علم مقدم ہے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب نوراللہ مرقدہ علم کی نفی نہیں فرماتے تھے مگر ایک ترتیب بتلانا چاہتے تھے تاکہ ہر شخص اپنی ضرورت کا علم لینے والا بن جائے اور وہ علم اس کی ضرورت کو پورا کردے۔ محض تفریح طلب نہ بنے۔ حضور پاک ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جو طریق علم رکھتے تھے اس سے علم زیادہ مفید اور زیادہ عام ہو سکتا ہے۔ باقی

(۱) لوگوں کو ان کے عمل اور ان کی ضروریات کے بقدر علم سکھاؤ۔

طریق مفید ضرور ہیں مگر اس درجہ پر نہیں اور ان کی عمومیت بھی کم ہے۔

ذکر اللہ میں ترتیب صحابہ رضی اللہ عنہم

ایسے ہی ذکر کا نمبر بہت اہم ہے اور یہ بھی ۱۰۰ فیصد امت میں اسی طریق سے عام ہو سکتا ہے جو طریق نبوی ﷺ تھا جس پر تمام صحابہ رضوان اللہ عنہم اپنے کاروبار' بیوی بچوں' مشاغل اور جہاد میں اللہ کا ذکر کرنے والے بنے۔ ان کی کثرتِ ذکر کی جو شکل اس زمانہ میں تھی وہ تو تمام اپنی ضرورتوں میں چلتے اور مشغلوں میں لگے ہوئے جاری تھی۔ چونکہ اس کا نقشہ اس زمانہ میں باقی نہیں رہا اس لئے دوسری شکلیں ایسی وجود میں آئیں جو بڑی فراغت کو چاہتی ہیں۔ اس میں بھی بہت بڑا فائدہ ہے لیکن عموم کم ہے اور ہر شخص نہیں چل سکتا۔

حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ اسی طریقہ نبوی ﷺ کے ذکر کو زندہ کرنا چاہتے تھے تاکہ پوری امت میں ذکر اللہ کا رواج پڑ جائے اور وہ علم دین کے ساتھ بھی اور دنیاوی علوم کے ساتھ بھی اور اپنے تمام مشغلوں کے ساتھ بھی چلتا رہے۔ اس

سے علم اور ذکر دونوں کے طبقوں میں الفت و محبت اور افادہ و استفادہ کی راہ قائم ہوجائے گی کیونکہ ہر مسلمان دونوں صنعتوں کا سخت محتاج ہے۔

تمام اعمال کی پابندی ضروری ہے

اصل تو شروع کے دو ہی نمبر ہیں کلمہ اور نماز۔ باقی تمام چیزیں انہی میں صحت اور حقیقت پیدا کرنے کے لئے ہیں اور انہی کو پھیلانے کے لئے ہیں۔ صحیح دعوت پر چلنے والا وہ ہوگا جو ان ساری باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے امت کے ساتھ جڑ کر چلے اور امت کو جوڑتے ہوئے چلے اور اس کا مقصد نہ اپنی دنیا بنانے کا ہو نہ عزت و شہرت بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے کلمہ کو بلند کرنا اور کفر کو ذلیل کرنا ہو۔ اپنی ساری حیثیتوں کو اس کے لئے قربان کریں لیکن اس میں بھی بہت بڑا خطرہ پیش آجاتا ہے کہ اپنی قربانیاں قابل تعریف و مدح نظر آنے لگتی ہیں اور دوسروں سے اکرام کا مطالب بن جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں اکرام طلب کرنا نہیں بلکہ دوسروں کا اکرام کرنا سیکھنا ہے۔ اگر ساتھی اکرام نہ کریں تو یہ دل میں خیال نہ آئے کہ میرا اکرام نہیں کیا اور اس کی وجہ سے کام میں سست نہ پڑے ورنہ شیطان اس

بات پر لے جائے گا کہ سارا کیا کرایا ضائع ہو جائے گا۔

حُبِّ جاہ سے بچا جائے

کبھی دل میں یہ خیال نہ آئے کہ میں نے اپنی عمر دعوت کی قربانیوں اور مشغلوں میں لگا دی' ادھر پھر بھی میری قدر نہیں کر رہے بلکہ اعتراف قصور بڑھتا رہے کہ ہائے! میں نے کچھ نہیں کیا اور معلوم نہیں کہ قیامت کے میدان میں میرے ساتھ کیا معاملہ ہو گا اور میری یہ محنت قبول ہوگی یا رائیگاں؟۔ صحابہ رضوان اللہ عنہم باوجود اپنی صحیح قربانیوں کے اپنے اندر نفاق کا خوف رکھتے تھے۔ جب تک یہ صفت ہمارے اندر پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک صرف الفاظ ہی الفاظ ہیں حقیقت نہیں' اور امتحان کے موقع پر آدمی الفاظ بھول جاتا ہے اور دل کی حقیقت سامنے آجاتی ہے اور ایسا حال ہو جاتا ہے کہ طوطے کو سالوں کلمہ پڑھایا۔ وہ ہر وقت آنے والوں کے سامنے بولتا رہا لیکن جب بلی نے دبوچا تو کلمہ زبان سے نکلنے کی بجائے "ٹاں ٹاں" نکلنے لگی۔ اس لئے ہر چیز کی حقیقت کا دھیان رکھنا ہے۔ ابھی ہمارا یہ لفظ اور کلمہ کہ اللہ ہی سے ہوتا ہے غیر سے کچھ نہیں ہوتا طوطے کا پڑھانا ہے محنت اس کو اپنے دل میں اتارنے کی کرنی ہے۔

گشت کے آداب اور اہمیت

اس کام میں گشت ریڑھ کی ہڈی ہے۔ یہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی نسبت ہے۔ حضور پاک ﷺ مکہ مکرمہ میں' طائف میں' موسم حج کے موقع پر' منیٰ میں گشت ہی فرمایا کرتے تھے۔ کبھی تنہا' کبھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ گو وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ کبھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کبھی زید بن حارث رضی اللہ عنہ کے ساتھ گویا کہ انفرادی اور اجتماعی دونوں طریق سے گشت فرمایا۔ سورہ یٰسین میں تین آدمیوں کا دعوت دینے کے لئے جانا مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ دعوت دینے چلے' یہ بھی مذکور ہے۔

آج گشت کی اہمیت نکل گئی اور وہ چھوٹ گیا۔ صرف مسجدوں کا وعظ باقی رہ گیا۔ وہ بھی غنیمت ہے لیکن گشت کر کے لانے پر جو بات کی تاثیر ہے وہ بغیر گشت کے نہیں۔ ہر ایک مغالطہ میں پڑ گیا اور یوں سمجھ لیا گیا کہ امت اتنا ایمان رکھتی ہے کہ ہمارے حلال وحرام' فرائض و واجبات' حقوق و معاملات کے بیان سن کر عمل پر آجائے گی۔ حالانکہ ایمان اس قدر کمزور ہو گیا کہ سن کر عمل پر آنا

مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود کثرت وعظ و تقریر اور تحریروں کے امت گرتی چلی جا رہی ہے۔ ترقی پذیر نہیں۔ بد عملی کی طرف جا رہی ہے۔ عمل کی طرف نہیں بڑھ رہی۔ اس لئے اس خیال کو دل میں جما کر کہ ایمان کمزور ہو چکا۔ موجودہ ایمان سے آنا دشوار ہو گیا' پہلے محنت ایمان کے بڑھانے کی فکر کرنی ہے اور اس درجہ ایمان کی ضرورت ہے جو خواہشات کے خلاف حضور پاک ﷺ کی طرف کھینچ لے۔ حدیث پاک میں حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے۔ "**لا یومن احدکم حتی یحب الاخیہ مایحب لنفسہ**" (۱) اس لئے گشت بہت ضروری ہے۔ گشت میں اپنے لئے ذلت کی مشق ہے اور "**اذلتہ علی المومنون**" کا سبق پڑھنا ہے اور سیکھنا اور مشق کرنی ہے۔ دوسرے اخلاص کی مشق ہے تیسرے بصیرت حاصل کرنے کی مشق ہے چوتھے امت کا درد اور غم حاصل ہوتا ہے اور سنت انبیاء ہونا تو سب سے بڑی چیز ہے ہی' اور جس قدر جدوجہد اس میں پیش آتی ہے اور کسی عمل میں پیش نہیں آتی اور جس قدر صبر و تحمل کی صفات اس میں حاصل ہوتی ہیں اور کسی عمل میں نہیں ہوتیں۔ اگر یہ

---

(۱) تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

زندہ ہوجائے تو پورا دین زندہ ہوجائے گا۔

مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک ملفوظ ہے کہ ہم اس کام سے دو باتیں چاہتے ہیں۔

اول یہ کہ پوری امت جماعتیں بن بن کر گاؤں گاؤں' شہر شہر' ملک ملک' اقلیم اقلیم حضور پاک ﷺ کی چیزوں کو لے کر پھرنے کی سنت کو زندہ کر کے پائیدار کردے اور دوسری چیز یہ کہ ہر مسلمان کا دلی جذبہ یہ بن جائے کہ میرا کام اس دنیا میں اللہ کے راستہ میں جان دینے کے سوا اور کچھ نہیں اور صحیح اصولوں' صحیح نیت اور صحیح جذبہ کے ساتھ گشت کیا جائے تو انسانوں میں دین اس طرح پھیلتا چلا جائے جیسے بارش کے ذریعے زمین پر سبزہ' غلے' پھل پھول کھلتے چلے جاتے ہیں اور یہ گشت تمام کاموں کے ساتھ' مشغولیوں کے ساتھ خواہ دینی ہوں یا دنیاوی' اہل وعیال رکھتے ہوئے ہر شخص کر سکتا ہے جیسے صحابہ رضوان اللہ عنہم کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں لشکری صورتوں میں اور وفود کی صورتوں میں یہ گشت ہی تھا جو یہ شکل اختیار کر گیا تھا۔ اگر گشت زندہ ہوجائے تو دین زندہ ہوجائے' اپنے اندر بھی اور دوسروں کے اندر بھی۔

ترک لایعنی ضروری ہے ورنہ اس سے دین کی رونق جاتی

ہے اور یہ بھی بہت دشوار بن گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے اور ہمارے لئے آسان فرمائے۔

(مولانا) سعد احمد خان

داعی کی آٹھ صفات

(۱) امت سے ساتھ محبت کا ہونا۔
(۲) اپنی اصلاح کی نیت سے دعوت دینا۔
(۳) جان و مال وقت کی قربانی کا جذبہ ہونا۔
(۴) تکبر اور برائی کی بجائے عاجزی و انکساری کا ہونا۔
(۵) کامیابی ملنے پر اللہ کی مدد سمجھنا۔
(۶) لوگوں کے نہ ماننے پر ناامید نہ ہونا۔
(۷) لوگوں کے تکلیف دینے پر صبر کرنا۔
(۸) ہر نیک عمل کے آخر میں استغفار کرتے رہنا۔

استقامت کے سترہ اسباب

مولانا سعید احمد خاں صاحب

(۱) جو اس کام کو دل کے ساتھ کرے گا وہ جمے گا۔ (۲) جو روزانہ دعوت دے گا اس کے جذبات بنتے رہیں گے جو دعوت نہیں دے گا اس کے جذبات ٹوٹتے رہیں گے۔ (۳) جو ماحول میں رہے گا وہ جمے گا جو ماحول سے کٹے گا وہ کٹ جائے گا۔ (۴) جو اس کام میں رخنہ ڈالے گا وہ کٹے گا۔ (۵) امیر کی اطاعت اور مشوروں کا پابند رہنے والا جمے گا۔ (۶) جو کسی کے عیب دیکھے گا وہ کٹے گا جو اچھائیاں دیکھے گا وہ جمے گا۔ (۷) جو تواضع اختیار کرے گا وہ جمے گا' جو تکبر کے ساتھ چلے گا وہ نہیں جم سکتا۔ (۸) بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے کام سے محروم ہو جاتا ہے۔ غیبت' اغراض' تنقید' بد نظری' شہوت (۹) جو مذاہب توجہ استغفار کی ساتھ چلے گا وہ جمے گا۔ (۱۰) جو دوسروں کی غلطی اپنے اوپر لے گا وہ جمے گا جو دوسروں پر ڈالے گا وہ نہیں جم سکے گا۔ (۱۱) جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ منافقت کرے گا نفع نہیں اٹھا سکے گا حتیٰ کہ ایمان بھی نصیب نہ ہو گا۔ (۱۲)

جو دوسروں کی غلط بات کی تاویل کر کے اچھے معنی مطلب کی طرف لے جائے گا وہ جمے گا جو ہربات کا الٹا مطلب لے گا وہ نہیں جمے گا۔ (۱۳) جو آدمی اللہ پاک سے ڈرتے اور مانگتے ہوئے چلے گا وہ جمے گا۔ جمنے کو مانگنا پڑے گا ورنہ ہل جائے گا۔ حضور ﷺ بھی استقامت کی دعا مانگتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی دعا مانگی "اے اللہ مجھے بت پرستوں کی بت پرستی سے بچا" حالانکہ ان سے بت پرستی کا امکان بھی نہ تھا۔ انہوں نے مانگا تو ہم کیا چیز ہیں۔ (۱۴) جو اخلاص سے قربانی دے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر حالت میں جمائیں گے۔ ایسے موقعوں پر جب لوگوں کے قدم اکھڑ رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجے کی رضا نصیب فرمائیں گے۔ (۱۵) جو یہ کہے گا میری وجہ سے کام ہو رہا ہے وہ محروم ہو جائے گا جس کے متعلق لوگ یہ سمجھیں گے کہ اس کی وجہ سے کام ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اٹھالیں گے۔ (۱۶) حضرت جی فرمایا کرتے تھے جو نقل پر اکھڑے گا وہ اصل پر کیسے جمے گا ہم تو نقل کرنے والے ہیں۔ (۱۷) جو پوری امت کے غم لے کر چلے گا اس کے قلب کی کیفیات کو اللہ پورے عالم پر ڈالیں گے۔

○○○

اشاعت: ۲۰۱۱ء ISBN: 81-7101-234-5 TP-065-11

صاف سی بات ہے کہ کوئی بھی کام صحیح اصولوں کے مطابق کرنے پر ہی صحیح نتیجہ دیتا ہے۔ تبلیغی کام کے اصول جاننے کے لئے ہمارے پاس اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ بانی جماعت حضرت مولوی محمد الیاس صاحبؒ کے قریبی اور بھروسے کے لوگوں سے کام کے اصول سیکھیں۔

حضرت مولوی سعید احمد خاںؒ بڑے حضرت جی حضرت مولوی محمد الیاسؒ کے بہت قریبی رفیق ہونے کے علاوہ خود بھی بڑے عالم تھے اور عمر بھر کا تبلیغی تجربہ رکھتے تھے ان کی ایک ایک بات ہمارے لئے قیمتی سرمایہ اور قابلِ قدر نعمت ہے۔ اپنے دو قریبی رفیقوں کو انہوں نے دعوت وتبلیغ کے متعلق ایک طویل خط لکھا تھا جس میں تبلیغ کے اہم اصولوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا تھا۔ اس خط کو اب کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔